سورۃ الجن

(آیاتہا ۲۸) (۷۲ سورۃ الجن مکیۃ ۴۰) (رکوعاتہا ۲)

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾

"آپ فرمایئے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے پس انہوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا اور بے شک اعلیٰ و ارفع ہے ہمارے رب کی شان، نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا"۔

اس ارشاد باری تعالیٰ میں پانچ مسائل ہیں:

کیا وحی سے پہلے نبی کریم ﷺ کو جنوں کے آنے کی خبر تھی

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ۔ اے محمد! ﷺ اپنی امت سے کہو: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کی زبان پر میری طرف وحی کی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے میری قراءت کو سنا۔ وحی سے قبل رسول ﷺ اس بارے میں آگاہ نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے یہی کہا ہے جیسا کہ ابھی آئے گا۔

ابن ابی عبلہ نے اسے اُحِيَ پڑھا ہے کہا ہے اَوْحیٰ الیہ و وَحیٰ الیہ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے اسی کے موافق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ (المرسلات) ہر وہ واؤ جو مضموم ہو اس میں قلب کا قاعدہ جاری کرنا جائز ہے مازنی نے واؤ مکسورہ میں بھی جائز قرار دیا ہے جیسے اِشاح، اِسادۃ، وِعَآءِ اَخِيْهِ (یوسف:76) وغیرہ میں ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ نے جنوں کو دیکھا یا نہیں

مسئلہ نمبر 2۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف منقول ہے کیا نبی کریم ﷺ نے جنوں کو دیکھا تھا یا نہیں؟ قرآن حکیم کا ظاہر تو اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں نہیں دیکھا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِسْتَمَعَ اور اللہ تعالیٰ

کا فرمان ہے: وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ (الاحقاف: 29) صحیح مسلم اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو جنوں پر قرآن کو پڑھا اور نہ ہی انہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں عکاظ کی منڈی کے ارادہ سے چلے جب کہ شیاطین اور آسمان کی خبر میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی، ان شیاطین پر شہابیے پھینکے گئے اور شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔ ان کی قوم کے افراد نے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ شیاطین نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے اور ہمارے اوپر شہابیے پھینکے گئے ہیں۔ قوم کے افراد نے کہا: یہ رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی مگر ایسی چیز سے جو ابھی ابھی واقع ہوئی ہے پس تم مشرق و مغرب میں نکل جاؤ اور دیکھو وہ کیا چیز ہے جو ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے؟ وہ مشرق و مغرب میں نکل کھڑے ہوئے۔ جنوں کی وہ جماعت جس نے تہامہ کا رخ کیا تھا وہ نخلہ کے مقام پر تھے اور عکاظ کی منڈی کا ارادہ رکھتے تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب جنوں نے قرآن کو سنا تو اس کی طرف کان لگائے اور کہا: یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے وہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اس وحی کو نازل فرمایا، فرما دیجئے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا(1)۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، کہا: جنوں کی اپنی قوم سے یہ گفتگو ہوئی جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کی عبادت کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو وہ اس پر تہہ در تہہ جمع ہو گئے۔

کہا: جب جنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کے ساتھ سجدہ کر رہے تھے تو جن، صحابہ کی اس اطاعت کو دیکھ کر متعجب ہوئے انہوں نے اپنی قوم سے کہا: جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا تو وہ اس پر بھیڑ کر لیتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو نہیں دیکھا لیکن جن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو سنا۔ اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جن اس وقت شیاطین کے ساتھ تھے جب شیاطین کو شہابیے مارے گئے تو انہوں نے حقیقت حال کو جاننے کی جستجو کی۔ جن کو شہابیے مارے گئے ان میں جن بھی تھے ان جنوں کو بھی شیاطین کہا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (الانعام: 112) کیونکہ شیطان ہر سرکش اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنے والی چیز کو کہتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جن آسمانوں کی طرف چڑھتے، وحی سنتے جب وہ ایک کلمہ سنتے تو ان میں نو کلمات بڑھا لیتے وہ ایک کلمہ تو حق ہوتا اور اس میں جو زائد ملاتے وہ باطل ہوتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہیں اپنی جگہوں پر بیٹھنے سے روک دیا گیا۔ اس بات کا ذکر انہوں نے ابلیس سے کیا اس سے قبل انہیں ستاروں سے نہیں مارا

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الجن، حدیث نمبر 3245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جاتا تھا۔ ابلیس نے انہیں کہا: یہ ایسا نہیں ہوا مگر زمین میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس نے اپنے لشکر بھیجے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دو پہاڑوں (میرا خیال ہے انہوں نے مکہ کہا تھا) کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا وہ ابلیس کے پاس آئے اور اسے خبر دی۔ اس نے کہا: یہی وہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنوں کو شہاب بچے مارے گئے جس طرح شیاطین کو شہاب بچے مارے گئے۔

سدی کی روایت میں ہے: انہیں شہاب بچے مارے گئے، وہ ابلیس کے پاس آئے اور اپنے ساتھ وقوع پذیر ہونے والے معاملہ کی خبر دی اس نے کہا: ہر علاقہ سے مٹھی بھر مٹی میرے پاس لاؤ جسے میں سونگوں گا۔ وہ مٹی اس کے پاس لے آئے اس نے مٹی کو سونگھا اس نے کہا: تمہارے اس معاملہ کا باعث مکہ مکرمہ میں ہے۔ اس نے جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ جن سات تھے۔ ایک قول کیا گیا: وہ نو تھے، ان میں زوبعہ تھا۔ عاصم نے زر سے روایت نقل کی ہے کہ زوبعہ کی جماعت اور اس کے ساتھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ثمالی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے وہ بنی شیصبان سے تعلق رکھتے تھے یہ تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ اور شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی تھے، عام طور پر یہی ابلیس کے لشکر ہوتے تھے۔

عاصم نے زر سے یہ بھی روایت نقل کی ہے: وہ سات افراد تھے تین اہل حران سے اور چار اہل نصیبین سے تعلق رکھتے تھے۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: وہ نو تھے جو اہل نصیبین سے تعلق رکھتے تھے (یہ یمن کی ایک بستی ہے جو عراق(2) کی بستی سے مختلف ہے)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو جن مکہ مکرمہ میں آئے وہ نصیبین کے تھے اور جو جن نخلہ کے مقام پر آئے وہ نینوی کے تھے۔ اس کا ذکر سورۃ الاحقاف میں گزر چکا ہے۔

عکرمہ نے کہا: وہ سورت جسے رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق: 1) تھی۔ سورۃ الاحقاف میں نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ کی وضاحت ہو چکی ہے، یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم ﷺ نے جنوں والی رات میں جنوں کو دیکھا تھا۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ عامر شعبی نے کہا: میں نے علقمہ سے پوچھا: کیا جنوں والی رات میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے؟ علقمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا، میں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی جنوں والی رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، انہوں نے جواب دیا: نہیں، لیکن ایک رات ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم نے آپ ﷺ کو گم پایا، ہم نے آپ ﷺ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہم نے کہا: آپ ﷺ کو کوئی اڑا کر لے گیا ہے یا آپ کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے وہ رات ایسی بری گزاری جیسی کوئی قوم گزار سکتی ہے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ومن سورۃ الجن، حدیث نمبر 3247، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ نصیبین کا ذکر معجم بکری، یاقوت کی معجم بلدان اور قاموس میں نہیں ہے۔

غار حراء کی جانب سے آرہے تھے ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم نے آپ ﷺ کو گم پایا، ہم نے آپ ﷺ کو تلاش کیا اور نہ پایا تو ہم نے وہ رات ایسی اذیت میں گزاری جس اذیت میں کوئی قوم گزار سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس جنوں کا داعی آیا، میں اس کے ساتھ گیا تو ان پر قرآن حکیم کو پڑھا''۔ نبی کریم ﷺ ہمیں لے گئے آپ ﷺ نے ہمیں ان کے آثار اور ان کی آگ کے آثار دکھائے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے زادِ راہ کا سوال کیا جب کہ وہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو گا وہ تمہارے ہاتھ لگے تو تمہارے لیے اس پر بہت زیادہ گوشت ہو گا اور ہر مینگنی تمہارے چوپاؤں کا چارہ ہو گی''۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ان دونوں چیزوں کے ساتھ استنجا نہ کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں''۔

ابن عربی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بنسبت زیادہ جانتے تھے کیونکہ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور حضرت ابن عباس نے اس کے بارے میں سنا اور خبر معائنہ جیسی نہیں ہو سکتی۔

لیکن قول یہ کیا گیا ہے: جن دو دفعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں آئے، حضرت ابن مسعود نے اسی کا ذکر کیا ہے۔ دوسری دفعہ نخلہ میں آئے جس کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔

امام بیہقی نے کہا: جس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے یہ پہلی دفعہ تھی جب جنوں نے نبی کریم ﷺ کی آواز کو سنا اور آپ ﷺ کے احوال سے آگاہ ہوئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے نہ ارادۃً ان پر قرآن پڑھا اور نہ ہی انہیں دیکھا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے۔ پھر دوسری دفعہ جنوں کا داعی آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ اسی کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان کو قرآن سنایا جس طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حکایت بیان کی ہے۔

امام بیہقی نے کہا: صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔ یہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ چلے تھے جب رسول اللہ ﷺ انہیں اور دوسرے لوگوں کو ساتھ لے گئے تھے تاکہ انہیں جنوں کے آثار اور ان کی آگ کے آثار دکھائیں۔

کئی سندوں سے یہ بھی مروی ہے کہ اس رات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے یہ بحث سورۃ الاحقاف میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنوں پر قرآن حکیم پڑھوں تم میں سے میرے ساتھ کون جائے گا؟ صحابہ کرام خاموش رہے پھر دوسری دفعہ فرمایا پھر تیسری دفعہ فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے عرض کی: یارسول اللہ! میں آپ ﷺ کے ساتھ جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ چلے یہاں تک کہ حجون کے مقام پر آئے جو شعب ابی دب کے پاس ہے، آپ ﷺ نے میرے ارد گرد ایک خط کھینچا فرمایا: ''اس سے باہر نہ نکلنا'' پھر آپ ﷺ حجون کی طرف چلے گئے تو آپ ﷺ پر حجلہ عروسی جیسی چیزیں اتریں وہ اپنے قدموں سے نچلی جانب پتھر گرا

رہے تھے وہ چل رہے تھے وہ اپنے دفوں کو بجا رہے تھے جس طرح عورتیں دف بجاتی ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی تلاوت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز لگاتار بلند ہوتی رہی اور وہ جن زمین کے ساتھ چمٹ گئے یہاں تک کہ میں انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف لوٹے۔ فرمایا: کیا تو نے میرے پاس آنے کا ارادہ کیا تھا؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں، یارسول اللہ! فرمایا: ''یہ تیرے لیے مناسب نہیں تھا یہ جن قرآن سننے آئے تھے پھر وہ اپنی قوم کی طرف اس حال میں لوٹے کہ وہ خبردار کرنے والے تھے۔ انہوں نے مجھ سے زادراہ کا سوال کیا تو میں نے انہیں ہڈیاں اور لید زادراہ کے طور پر دیئے پس تم میں سے کوئی بھی ہڈی اور لید کے ساتھ استنجا نہ کرے''۔

عکرمہ نے کہا: وہ جزیرہ موصل کے بارہ ہزار تھے۔ ایک روایت میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے لے گئے یہاں تک کہ جب ہم اس مسجد میں آئے جو بنی عوف کے باغ کے پاس ہے تو آپ نے میرے لیے خط کھینچا تو ان میں سے ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا: گویا وہ زطی (1) لوگ ہیں گویا ان کے چہرے مکوک (2) ہیں۔ انہوں نے پوچھا: آپ کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کا نبی ہوں''۔ انہوں نے کہا: اس دعویٰ پر کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ درخت''۔ حکم دیا: ''اے درخت!'' وہ درخت جڑیں گھسیٹتا ہوا آیا اس کی شدید آواز آرہی تھی یہاں تک کہ وہ درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا پوچھا: ''تو کس چیز پر گواہی دیتا ہے؟'' درخت نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ وہ لوٹ گیا جس طرح آیا تھا جب کہ وہ اپنی جڑوں کے ساتھ پتھر بھی کھینچ کر لے جارہا تھا، اس کی شدید آواز تھی یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں کھڑا ہو گیا جس طرح پہلے تھا (3)۔

پھر روایت کی گئی ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا اور سو گئے پھر بیدار ہوئے پوچھا: ''کیا پانی ہے؟'' حضرت ابن مسعود نے عرض کی: نہیں، مگر میرے پاس ایک برتن ہے جس میں نبیذ ہے۔ فرمایا: ''یہ تو کھجور اور پانی ہے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا۔

کس پانی کے ساتھ استنجا کرنا جائز ہے

مسئلہ نمبر 3۔ سورۂ حجر میں پانی کے بارے میں اور سورۂ براءت میں اس چیز کا ذکر گزر چکا ہے جس سے استنجا کیا جاتا ہے تو یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

جنوں کی حقیقت کے بارے میں علماء کا اختلاف

مسئلہ نمبر 4۔ جنوں کی حقیقت کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے، اسماعیل نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ جن ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان میں سے اور ان میں سے مومن

1۔ ہنود کی ایک جنس ہے جن کے رنگ سیاہی مائل تھا۔

2۔ یہ ایسا برتن ہے جس سے پانی پیا جاتا ہے اس کے اوپر والا حصہ تنگ اور درمیان والا کھلا ہوتا ہے۔

3۔ اخبار مکہ، الفاکہی، 2319

اور کافر ہیں، وہ ثواب اور عقاب میں شریک ہیں، ان میں سے اور ان میں سے جو مومن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، ان میں سے اور ان میں سے جو کافر ہے وہ شیطان ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جن، جان کی اولاد ہیں وہ شیاطین نہیں، وہ ایمان لاتے ہیں، ان میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر ہوتے ہیں۔ شیاطین، ابلیس کی اولاد ہیں وہ ابلیس کے ساتھ ہی مریں گے جس طرح جنوں کی اصلیت کے بارے میں اختلاف ہے جنوں میں سے مومنوں کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ وہ جنوں میں سے ہے ابلیس کی نسل سے نہیں اس نے کہا: وہ اپنے ایمان کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا جس نے کہا: وہ ابلیس کی اولاد میں سے ہے اس کے ان کے بارے میں دو قول ہیں (۱) یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے: وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ (۲) یہ مجاہد کی روایت ہے: وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اگرچہ وہ جہنم سے دور کیے جائیں گے؛ ماوردی نے اسے حکایت کیا ہے۔ یہ قول سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اس میں یہ وضاحت ہے کہ جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

جنوں کے کھانے، پینے کے بارے میں پایا جانے والا اختلاف

مسئلہ نمبر 5۔ بیہقی نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ جنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زاد کے بارے میں سوال کیا، وہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے ہر ہڈی زاد راہ ہے'' یہ ارشاد اس امر پر دلیل ہے کہ وہ کھاتے ہیں۔ اطباء اور فلاسفہ میں سے کافروں کی جماعت نے جنوں کا انکار کیا ہے انہوں نے کہا: جن بسیط ہیں، ان کا کھانا پینا ثابت نہیں۔ حقیقت میں ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی ذات پر جرأت اور افتراء ہے، قرآن و سنت ان کا رد کرتے ہیں مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز نہیں جو بسیط، مرکب اور جوڑا بھی ہو۔ واحد تو صرف سبحانہ وتعالیٰ ہے اس کا غیر مرکب ہے وہ واحد نہیں اس کا حال کیسا بھی ہو۔ یہ کوئی ممتنع امر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتوں کو دیکھا اکثر طور پر وہ ہمارے سامنے سانپوں کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ موطا امام مالک میں ہے: ایک آدمی کی شادی کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا اس نے دوپہر کو اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی، اس حدیث میں ہے: وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑا سانپ اس کے بستر پر لپٹا ہوا ہے اس صحابی نے نیزہ لے کر وار کیا اور اسے نیزے میں پرو لیا۔ اور حدیث ذکر کی (1)۔

صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان گھروں کے عوامر (بڑی عمر والے سانپ) ہیں جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو تین دفعہ ان پر تنگی کرو اگر وہ چلا جائے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دو کیونکہ وہ جن کافر ہوگا''۔ فرمایا: ''جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کر دو'' یہی چیز اور ان پر تحریج (تنگ کرو) کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ یہ حکم مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان منقول ہے: ''مدینہ طیبہ کے جن مسلمان ہو چکے ہیں'' یہ الفاظ مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہیں یہ اس کے حکم کے ساتھ بھی خاص ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں: مدینہ طیبہ کے علاوہ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ یہاں علت مدینہ طیبہ کی حرمت بیان نہیں کی گئی کہ یہ حکم اس کے

1۔ احکام القرآن للطبری

ساتھ مخصوص ہوتا یہاں اس کی علت اسلام قرار دی گئی ہے یہ اس کے غیر میں بھی عام ہے کیا تم رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد نہیں دیکھتے جس میں آپ ﷺ اس جن کی خبر دیتے ہیں جو آپ ﷺ سے ملا تھا، وہ جزیرہ کے جن تھے۔ یہ واضح ہے جس کی تائید حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی کرتا ہے: ونھی عن عوامر البیوت یہ عام ہے اس کے متعلق گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اس لیے دوبارہ گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۝ میں عَجَبًا سے مراد یہ ہے وہ اپنے کلام کی فصاحت میں عجیب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اپنے مواعظ کی بلاغت میں عجیب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اپنی برکت کی عظمت میں عجیب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: قرآن غالب ہے اس کی مثل نہیں پائی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسے عظیم خیال کرتے ہیں۔ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ امور کے بہترین پہلوؤں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور یَّهْدِیْۤ کا فعل ترکیب کلام میں صفت بن گیا یعنی ھادیا کے معنی میں ہے فَاٰمَنَّا بِهٖ یعنی ہم اس کے ذریعے ہدایت یافتہ ہوئے اور ہم نے یہ تصدیق کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا۝ یعنی ہم ابلیس کی طرف نہ لوٹیں گے اور ہم اس کی اطاعت نہیں کریں گے، کیونکہ شیطان نے بھی انہیں بھیجا تھا کہ وہ اس کے پاس خبر لائیں پھر جنوں کو شہابیوں سے مارا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہیں بنائیں گے کیونکہ وہ ربوبیت میں یکتا ہے۔ اس میں مومنوں کو اس امر پر تعجب دلایا جا رہا ہے کہ قریش میں سے مشرک اس کو نہ سمجھ سکے جس کا ادراک جنوں نے قرآن حکیم میں تدبر کر کے کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ سے مراد یہ ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی آواز کو سنا اور وہ جان گئے کہ جو آپ ﷺ پڑھ رہے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے۔ جس کو سنا اس کا ذکر نہ کیا کیونکہ حال اس پر دلالت کرتا ہے۔ نَفَرٌ کا معنی جماعت ہے۔ خلیل نے کہا: تین سے لے کر دس تک کے افراد کو نفر کہتے ہیں۔ عیسیٰ ثقفی نے کہا: رَشد راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا میں علقمہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ، کسائی، ابن عامر، خلف اور سلمی نے ان کو سورت میں بارہ مواقع پر ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے وہ مقامات یہ ہیں وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا، وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ، وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ، وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ، وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا، وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ، وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ، وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ، وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ، وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ، وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى، وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ ان کا عطف اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ پر ہے اس میں ہمزہ پر فتحہ کے سوا کوئی صورت درست نہیں کیونکہ یہ اُوْحِیَ کے نائب فاعل کے محل میں ہے اور اس کا مابعد اس کا معطوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ سب فَاٰمَنَّا بِهٖ میں ھا پر محمول ہے یعنی ان سے پہلے باء حرف جار ہے یہ جائز ہے اور حرف جار کی کثرت کی وجہ سے ان کے ساتھ حرف جار مضمر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ہم نے یہ تصدیق کی کہ ہمارا رب عظیم ہے۔ باقی قراء نے سب کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہی صحیح ہے؛ ابوعبیدہ اور ابوحاتم نے اسے پسند کیا اور اسے فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا کا معطوف قرار دیا کیونکہ یہ سب جنوں کا کلام ہے۔ جہاں تک ابوجعفر اور شیبہ کا تعلق ہے ان دونوں نے تین مواقع پر

اَنَّ کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے وہ یہ مواقع ہیں وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا، وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ، وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ۔ دونوں نے کہا: یہ وہ جملے ہیں جو او حی سے متعلق ہیں یعنی وحی سے ہیں اور باقی ماندہ میں ان کے ہمزہ کو کسرہ دیا کیونکہ وہ جنوں کا کلام ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ کا تعلق ہے سب قراء نے اس میں ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے مگر نافع، شیبہ، زر بن حبیش، ابوبکر اور مفضل نے عاصم سے یہی روایت نقل کی ہے انہوں نے ہمزہ کو کسرہ ہی دیا ہے کوئی اور حرکت نہیں دی۔ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ، وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا اور وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا میں ہمزہ کو فتحہ دینے میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح قول کے بعد اس کے ہمزہ کو کسرہ دینے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جس طرح فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا، قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ، قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اور قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ ان مقامات میں ان کے ہمزہ کو کسرہ دیا جاتا ہے اسی طرح وہ مقامات جہاں ان فا جزائیہ کے بعد آتا ہے اس کے ہمزہ کو کسرہ دینے میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ (توبہ: 63) فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ کیونکہ یہ ابتدا کے مواقع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا لغت میں جد سے مراد عظمت اور جلال ہے اس معنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جب ایک آدمی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران یاد کر لیتا ہے تو ہماری آنکھوں میں عظیم ہو جاتا ہے۔ جَدُّ رَبِّنَا کا معنی ہے ہمارے رب کی عظمت اور جلال؛ عکرمہ، مجاہد اور قتادہ نے یہ کہا ہے۔ مجاہد سے یہ معنی بھی منقول ہے: اور اس کا ذکر بلند ہے۔

حضرت انس بن مالک، حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے جَدُّ کا معنی غنا کیا ہے۔ عکرمہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ حظ (حصہ) کو جد کہتے ہیں رجل مجدود یعنی ایسا آدمی جس کا حصہ معین کر دیا گیا ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے: لا ینفع ذا الجد منك الجد۔ کسی حصہ والے کو تیرے مقابلہ میں حصہ نفع نہ دے گا۔

ابو عبیدہ اور خلیل نے کہا: حدیث میں جد، غنا کے معنی میں ہے، یعنی کسی مالدار کو مال تیری پکڑ کے مقابلہ میں نفع نہ دے گا بے شک اسے طاعت ہی نفع دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی قدرت ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی فعل ہے۔ قرظی اور ضحاک نے یہ بھی کہا: اس سے مراد مخلوق پر اس کی نعمتیں اور احسانات ہیں۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: اس کا معنی اس کی بادشاہت ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی اس کا امر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا مطلب ہے ہمارا رب بلند و بالا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اس جد سے مراد دادا لیا اور یہ جنوں کا قول ہے جنہوں نے ہر بات جہالت کی وجہ سے کی تو اس پر ان کا مواخذہ نہ کیا گیا۔ قشیری نے کہا: لفظ جد کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ذکر کرنا جائز ہے اور جائز نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس کا ذکر نہ ہوتا مگر یہ لفظ وہم دلاتا ہے اس سے اجتناب بہتر ہے۔ عکرمہ کی قراءت میں یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے جو ہنسی مذاق کی ضد ہے، اسی طرح ابو حیوہ اور محمد بن سمیقع نے پڑھا۔ ابن سمیقع اور ابو اشہب نے جَدًا رَبُّنا پڑھا ہے جس کا معنی منفعت ہے۔ عکرمہ نے اسے تنوین کے ساتھ جدًا پڑھا ہے ربُّنا کو رفع کے ساتھ مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ تعالیٰ کا فاعل ہے اور جدًا تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے۔ عکرمہ سے جدٌ مرفوع تنوین کے ساتھ اور تنوین کے بغیر نقل کیا گیا ہے اور رَبُّنَا کو مرفوع نقل کیا گیا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی تعالٰی جدٌّ جدٌّ ربنا۔ دوسرا جد پہلے جد سے بدل ہے۔ اسے حذف کیا گیا اور

مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا۔ آیت کا معنی یہ ہے ہمارے رب کا جلال اس سے بالا ہے کہ وہ کسی کو بیوی اور بیٹا بنائے تاکہ ان سے مانوس ہو اور اسے ان کی حاجت ہے، رب نداور نظیر سے ماوراء ہے۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝

''اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے نارواباتیں کہتے رہے اور ہم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھادیا جنوں کے غرور کو اور ان انسانوں نے بھی یہ گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا''۔

اللہ کے فرمان: وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ میں اَنَّهٗ کی ہ ضمیر امر کے لیے ہے یا حدیث کے لیے اور کان میں ضمیر اس کا اسم ہے اور مابعد كَانَ کی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ كَانَ زائدہ ہو۔ مجاہد، ابن جریج اور قتادہ کے قول میں: یہاں سفیہ سے مراد ابلیس ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بن ابو موسیٰ نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنوں میں سے مشرک مراد ہیں۔ قتادہ نے کہا: جنوں کے سفیہ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس طرح انسانوں کے سفیہ نے اس کی نافرمانی کی۔ شطط اور اشتطاط سے مراد کفر میں غلو ہے۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد ظلم ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد جھوٹ ہے۔ اس کا اصل معنی دوری ہے، ظلم کو اس کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عدل سے دور ہوتا ہے۔ جھوٹ کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سچائی سے دور ہوتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

بأيَّةِ حالٍ حكَّموا فيك فاشتطُّوا ... وما ذاكَ إلا حيثُ يمَّمَكَ الوَخطُ

کس حال میں انہوں نے تیرے بارے فیصلہ کیا اور ظلم کیا اور یہ فیصلہ نہیں تھا مگر اس وقت جب بڑھاپے نے تیرا قصد کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ کا معنی ہے ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولیں گے اسی وجہ سے ہم نے انکی اس بات میں تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی اور بچہ ہے یہاں تک کہ ہم نے قرآن سنا اور اسکے ذریعے حق کو پہچانا۔

یعقوب، جحدری اور ابن ابی اسحاق نے لَنْ تَقَوَّلَ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنوں سے یہاں خبروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ جس قاری نے ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے اس نے اسے اَنَّهُ اسْتَمَعَ کی طرف لوٹایا ہے اور جس نے ہمزہ کسرہ دیا ہے اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی کلام قرار دیا ہے۔ اس سے مراد وہ قول ہے جو ایک آدمی اس وقت کرتا جب وہ کسی وادی میں اترتا أعوذ بسيد هذا الوادي من شر سفهاء قومه میں اس وادی کے سردار کی اس کی قوم کے بے وقوفوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ وہ آدمی اس سردار کی پناہ میں رات گزارتا یہاں تک کہ صبح کرتا؛ یہ تعبیر حضرت حسن بصری، ابن زید اور دوسرے علماء نے کی ہے۔ مقاتل نے کہا: سب سے پہلے اہل

یمن کی ایک جماعت نے جنوں کی پناہ چاہی، پھر بنوحنیفہ نے جنوں کی پناہ چاہی پھر یہ طریقہ عربوں میں عام ہوگیا۔ جب اسلام آگیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی اور جنوں کو ترک کر دیا۔

کردم بن ابی سائب نے کہا: میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ طیبہ جانے کے لیے نکلا یہ پہلا موقع تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوا تھا، رات نے ہمیں ایک چرواہے کی پناہ لینے پر مجبور کیا جب نصف رات ہوئی تو بھیڑیا آیا اس نے ایک بکری اٹھائی۔ چرواہے نے کہا: اے وادی میں طویل عرصہ سے رہنے والے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ایک منادی نے اعلان کیا: اے سرحان! اسے چھوڑ دے، تو وہ میمنہ دوڑتا ہوا آیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے رسول پر اس آیت کو نازل کیا تھا: وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ یعنی جنوں نے انسانوں کی گمراہی اور گناہ میں اضافہ کیا؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ رھق کا لفظ عربی زبان میں گناہ اور محرمات پر چھا جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور رجل رھق اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس طرح ہو، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (یونس: 27) ذلت ان پر چھا جاتی ہے۔

اعشی نے کہا:

لاشیئ ینفعنی من دون رؤیتها هل یشتفی وامق مالم یصب رهقا

اس کے دیدار کے بغیر کوئی چیز مجھے نفع نہیں دیتی کیا عاشق شفایاب ہو سکتا ہے جب کہ وہ گناہ کو نہ پہنچا ہو۔

یہاں زیادتی کے فعل کو جنوں کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ وہ جن اس کا سبب تھے۔ مجاہد نے بھی یہی کہا ہے کہ انسانوں نے جنوں سے پناہ مانگ کر جنوں کی سرکشی میں اضافہ کیا یہاں تک کہ جنوں نے کہا: ہم انسانوں اور جنوں کے سردار بن گئے۔

قتادہ، ابو عالیہ، ربیع اور ابن زید نے یہ تعبیر کی ہے: اس طرح انسان، جنوں سے زیادہ ڈرنے لگے۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی کفر کیا۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چھوڑ کر جنوں کی پناہ لینا کفر و شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: رجال کے لفظ کا اطلاق جنوں پر نہیں ہوتا انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے شر سے بچنے کے لیے انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کی پناہ چاہتے مثلاً انسانوں میں سے کوئی یہ کہتا: میں اس وادی کے جن کے شر سے حذیفہ بن بدر کی پناہ چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے لیے کلام ہے کہ جنوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا جس طرح تم نے گمان کیا۔ کلبی نے کہا: معنی ہے جنوں نے گمان کیا جس طرح انسانوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف رسول مبعوث نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس رسول کے ذریعے ان پر حجت تمام کرے گا۔ یہ سب قریش پر دلیل قائم کرنے کی تاکید ہے یعنی جب یہ جن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں تو تم ان پر ایمان لانے کے زیادہ مستحق ہو۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ

أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

"اور (سنو) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم تو پہلے بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے لیکن اب جو جن سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں اور ہم نہیں سمجھتے اس کی کیا وجہ ہے کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ یہ جنوں کا قول ہے یعنی ہم نے اس کی خبر جاننا چاہی جس طرح ہماری عادت تھی تو ہم نے اسے پایا کہ وہ فرشتوں سے بھرا ہے۔ حَرَس، حارس کی جمع ہے اور شُهُب، شِهاب کی جمع ہے وہ ستاروں کا ٹوٹنا ہے جو انہیں چوری چھپے باتیں سننے پر جلاتے ہیں اس بارے میں گفتگو سورۂ حجر اور صافات میں گزر چکی ہے۔ وجد کے بارے میں یہ جائز ہے کہ اسے دو مفعولوں کی طرف متعدی مانا جائے ان دو میں سے پہلا مفعول ھا ضمیر ہے اور مُلِئَتْ اس کے دوسرے مفعول کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہو اور مُلِئَتْ، قد کے مضمر ماننے کے ساتھ حال ہو۔ حرسا، ملئت کا مفعول ثانی ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور شَدِيدًا، حرس کی صفت ہے یعنی وہ طاقتور فرشتوں سے بھرا ہوا ہے۔ حرس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے شدید کو واحد ذکر کیا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: السلف الصالح، صالحین کے معنی میں ہے سلف کی جمع اسلاف اور حرس کی جمع احراس ہے امرؤالقیس کا قول ہے:

تجاوزتُ أحراسا و أهوال مَعْشَرٍ

میں نگہبانوں اور جماعت کی خوفناک چیزوں سے آگے گزر گیا۔

یہ بھی جائز ہے کہ حرس مصدر ہو اور یہ حَرِسَت حراسةً شدیدۃً کے معنی میں ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا ۝ میں ھا ضمیر سے مراد السماء ہے اور مقاعد ان جگہوں کو کہتے ہیں جن کی مثل میں اس لیے بیٹھا جاتا ہے تاکہ آسمان کی خبروں کو سنا جائے یعنی سرکش جن یہ کام اس لیے کرتے تھے تاکہ فرشتوں سے آسمان کی خبریں سنیں یہاں تک کہ وہ خبریں کاہنوں کو القاء کریں جیسے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا تو اللہ تعالیٰ نے جلانے والے شہابیوں کے ساتھ ان کی نگہبانی کا اہتمام فرمایا۔ جنوں نے اس وقت کہا: فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا شہاب سے مراد جلانے والا ستارہ ہے۔ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ستاروں کا ٹوٹنا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہوا۔ یہ آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ سلف صالحین میں اس بارے میں اختلاف ہے کیا شیاطین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہابیے مارے جاتے تھے یا ایسا امر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے ہوا؟ کلبی نے کہا: ایک قوم نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیانی عرصہ یعنی فترت کے زمانہ میں جو تقریباً پانچ سو سال پر محیط ہے آسمان کی نگہبانی نہیں کی جاتی تھی جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو تمام آسمانوں کو ممنوعہ قرار دے دیا گیا

اور فرشتوں اور شہابیوں سے ان کی حفاظت کی گئی۔

میں کہتا ہوں: اسے عطیہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، بیہقی نے اس کا ذکر کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا دن آیا تو شیاطین کو روک دیا گیا اور ان کو شہابیے مارے گئے۔

عبدالملک بن سابور نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیانی عرصہ یعنی فترت کے دور میں آسمان کی نگہبانی نہیں کی جاتی تھی جب حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مبعوث کیا گیا تو آسمان کی نگہبانی کی گئی اور شیاطین کو شہابیوں سے مارا گیا اور آسمان کے قریب ہونے سے انہیں روک دیا گیا۔

نافع بن جبیر نے کہا: فترت کے دور میں شیاطین سنا کرتے تھے اور انہیں شہابیوں سے نہیں مارا جاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہیں شہابیوں سے مارا گیا۔ اسی قسم کا قول حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہا: جب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا گیا تو کسی کو شہابیے نہیں مارے گئے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو ان شیاطین کو مارا جانے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے اضافہ کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: مُلِئَتْ کا یہی معنی ہے یعنی اس کی نگہبانی میں اضافہ کر دیا گیا۔ اوس بن حجر نے کہا، جب کہ وہ دور جاہلیت کا شاعر ہے:

فانقض کالدُّرِّی یتبعهُ نقعٌ یثورُ تخالُه طنُبا

یہ اکثر لوگوں کا قول ہے۔ جاحظ نے اس شعر کا انکار کیا اور کہا: ہر وہ شعر جو اس بارے میں روایت کیا گیا ہے وہ من گھڑت ہے اور اس نے اس بات کا بھی انکار کیا کہ بعثت سے قبل شیاطین کو نہیں مارا جاتا تھا جب کہ شیاطین کو مارنے کا قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا۝ یہ جنوں کی جانب سے خبر ہے کہ آسمان کی نگہداشت میں اضافہ کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ آسمان شہابیوں اور ان سے بھر گئے۔ یہ قول اس لیے بھی اصح ہے کہ اس اثنا میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ستارے سے کسی کو مارا گیا پوچھا: "تم دور جاہلیت میں اس بارے میں کیا کہتے تھے؟" صحابہ نے عرض کی: ہم کہا کرتے تھے کوئی عظیم آدمی فوت ہوا ہے یا کسی عظیم شخصیت نے جنم لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں پھینکے جاتے بلکہ ہمارا رب سبحانہ وتعالیٰ جب آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر تمام آسمان والے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں یہاں تک کہ تسبیح کا سلسلہ اس آسمان تک آپہنچتا ہے آسمان والے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا، تو حاملین عرش اس آسمان کے فرشتوں کو خبر دیتے ہیں، پھر یہ آسمان والے دوسرے آسمان والوں کو خبر دیتے ہیں آخر کار خبر اس آسمان تک آپہنچتی ہے جن اس خبر کو اچک لیتے ہیں تو انہیں ان شہابیوں سے مارا جاتا ہے، جو خبر وہ جن لاتے ہیں وہ سچی ہوتی ہے لیکن وہ اس خبر میں زیادتی کر دیتے ہیں" (1)۔ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شہابیے مارنے کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاسلام، باب تحریم الکہانۃ

سلسلہ بعثت سے قبل بھی تھا۔

زہری نے اسی کی مثل حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ان سے پوچھا گیا: کیا دور جاہلیت میں انہیں شہابیوں سے مارا جاتا تھا؟ جواب دیا: ہاں۔ کیا تو نے الله تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا: وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو معاملہ سخت کر دیا گیا؛ اس کی مثل قتبی نے کہا۔

ابن قتیبہ نے کہا: بعثت کے بعد نگہبانی کا معاملہ سخت ہو گیا اس سے قبل وہ چوری چھپے باتیں سن لیا کرتے تھے اور کسی وقت انہیں شہابیوں سے مارا بھی جاتا تھا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہیں سننے سے مطلق روک دیا گیا۔ اس کی وضاحت سورۃ الصافات میں وَ یُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖۗ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ آیت میں گزر چکی ہے۔

حافظ نے کہا: اگر کوئی کہنے والا یہ کہے: جب جنوں کو معلوم ہو چکا تھا تو وہ خبر سننے کے لیے کیا اپنے آپ کو جلانے کے لیے پیش کر دیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے: الله تعالیٰ انہیں ہر چیز بھلا دیتا ہے یہاں تک کہ آزمائش بڑی ہو جاتی ہے، جس طرح ابلیس کو ہر لحہ یہ بات بھلا دی جاتی ہے کہ وہ محفوظ نہیں۔ الله تعالیٰ نے اسے فرمایا: اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ۙ (الحجر) اگر یہ نہ ہو تو احکام کا مکلف ہونا ہی درست نہ ہو۔

رَّصَدًا کے بارے میں یہ کہا گیا: یہ فرشتوں کی طرف سے ہوگا۔ رصد کا معنی ہے کسی شی کی حفاظت کرنے والا۔ اس کی جمع ارصاد ہے اس مقام کے علاوہ میں ممکن ہے کہ وہ جمع ہو جس طرح حرس کا صیغہ ہے اس کی واحد راصد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: رصد شہابیہ ہے یعنی شہابیہ اس کی تاڑ میں ہوتا ہے تا کہ اس کے ساتھ شیطان کو رجم کیا جائے۔ یہ فَعَل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے جس طرح خَبط اور نفض ہے۔

الله تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ کا مفہوم ہے آسمانوں کی ان نگہبانوں سے جو نگہبانی کی گئی ہے کیا اس کے ساتھ الله تعالیٰ نے اہل زمین کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے یا بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ ابن زید نے کہا: ابلیس نے کہا ہم نہیں جانتے کیا الله تعالیٰ نے اس حفاظت کے ساتھ اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کیا ہے یا ان کی طرف رسول بھیجنے کا ارادہ کیا ہے؟(1) ایک قول یہ کیا گیا: یہ جنوں کی آپس میں اس وقت کی گفتگو ہے جب کہ ابھی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت نہیں سنی تھی یعنی ہم نہیں جانتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اہل زمین کے لیے عذاب کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ اہل زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہیں اور جھٹلانے کے ساتھ ہلاک ہوتے ہیں جس طرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جنہوں نے سابقہ امتوں میں سے انبیاء کو جھٹلایا یا الله تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ہدایت پائیں، وہ شر اور رشد اسی کفر و ایمان پر منحصر تھا۔ اس قول کی بنا پر انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم تھا۔ جب انہوں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو سنا تو انہیں علم ہو گیا کہ وحی کی حفاظت کی خاطر انہیں آسمان کے

1۔ تفسیر طبری

قریب جانے سے روکا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ یہ ایسا قول ہے جو ان جنوں نے اس وقت اپنی قوم سے کہا تھا جب وہ انہیں خبردار کرنے کے لیے واپس گئے تھے یعنی جب وہ ایمان لائے تو انہیں خوف ہوا کہ اکثر اہل زمین ایمان نہیں لائیں گے تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ جن پر ہم ایمان لاتے ہیں کیا اہل زمین اس کا انکار کریں گے یا وہ ایمان لائیں گے؟

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

''اور ہم میں سے بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے، ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ یہ جنوں کے قول کی حکایت ہے جب جنوں نے اپنے ساتھیوں کو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس وقت انہوں نے ایک دوسرے کو یہ کہا کہ قرآن سننے سے پہلے ہم میں سے کچھ صالح تھے اور ہم میں سے کچھ کافر تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ کا معنی ہے کہ صالحین سے صالحیت میں کم ہیں۔ یہ کلام اس کے زیادہ مشابہ ہے جس نے اسے ایمان اور شرک پر محمول کیا ہے۔ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا یعنی ہم مختلف جماعتیں تھیں؛ سدی نے یہ تعبیر کی ہے۔ ضحاک نے کہا: مختلف دین رکھنے والے تھے۔ قتادہ نے کہا: متضاد خواہشات رکھنے والے تھے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

القَابِضُ الباسِطُ الْهَادِی بِطاعتِهِ فی فتنَةِ النَّاسِ إذْ أهْوَاءُهُمْ قِدَدُ

وہ قابض، باسط اور اس کی اطاعت کرنے والا ہے جب کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہیں کیونکہ ان کی خواہشات مختلف ہیں۔

معنی یہ ہے تمام جن کافر نہیں تھے بلکہ مختلف تھے ان میں سے کچھ کفار تھے اور کچھ صالح مومن اور کچھ غیر صالح مومن تھے۔ مسیب نے کہا: ہم مسلمان، یہودی، نصرانی اور مجوسی تھے۔

سدی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جنوں میں بھی تمہاری طرح قدریہ، مرجیہ، خوارج، رافضیہ، شیعہ اور سنی تھے (1)۔ ایک قوم نے یہ تعبیر کی کہ قرآن سننے کے بعد ہم مختلف تھے ہم میں سے کچھ مومن اور ہم میں سے کچھ کافر تھے یعنی ہم میں سے کچھ صالح اور کچھ ایسے مومن تھے جو صالحیت میں انتہاء تک پہنچے تھے یعنی ہم میں سے کچھ صالح اور کچھ ایسے مومن تھے جو صالحیت میں انتہا تک نہیں پہنچے ہوئے تھے۔ پہلی تعبیر اچھی ہے کیونکہ جنوں میں سے کچھ ایسے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے کہا: (ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ جن کو انہوں نے ایمان کی دعوت

1۔ تفسیر بغوی، زاد المسیر

دی تھی یہ ان کی طرف سے مبالغہ ہے نیز اس قول میں کوئی فائدہ نہیں کہ ہم اب مومن اور کافر میں منقسم ہوئے ہیں۔

طرائق، طریقه کی جمع ہے یہ انسان کا مذہب ہے یعنی ہم مختلف جماعتیں تھیں۔ یہ قول کیا جاتا ہے: القوم طرائق یعنی مختلف مذاہب پر ہے۔ قددہ سے مراد راستوں کی مثل ہے یہ طرائق کے لیے تاکید ہے اس کا واحد قدۃ ہے۔ کہا جاتا ہے: بکل طریق قدۃ اس کی اصل قدّ السیور ہے جس کا معنی تسموں کا کاٹنا ہے۔ لبید اپنے بھائی اربد کا مرثیہ کہتا ہے:

لم تَبْلُغْ العینُ کلَّ نھمتھا لیلة تمسی الجیاد کالقدد

آنکھ تمام خواہش کے باوجود اس رات تک نہ پہنچی جس رات گھوڑوں نے تسموں کی طرح رات گزار دی۔

ایک اور نے یہ شعر کہا:

ولَقَدْ قُلْتُ وزَیْدٌ حاسِرٌ یومَ وَلَّتْ خیلُ عَمْرو قِدَدًا

میں نے کہا جب کہ زید تھکا ماندہ تھا: جس روز عمرو کے گھوڑے ٹکڑے ٹکڑے لوٹے۔

قد جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسا تسمہ ہے جو ایسے چمڑے سے کاٹا جاتا ہے جس کو ابھی رنگا نہ گیا ہو ایک جملہ بولا جاتا ہے: مالہ قدٌ ولا قحف۔

قد چمڑے کا برتن اور قحف لکڑی کے برتن کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِی الۡاَرۡضِ میں ظن علم اور یقین کے معنی میں ہے یہ ظن اس ظن کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ اور وَّ اَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا اس آیت کا معنی یہ ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کی آیات میں استدلال اور غور و فکر سے جان لیا کہ ہم اس کے قبضہ اور حکومت میں ہیں ہم بھاگنے یا کسی اور طریقہ سے اس کی قدرت سے باہر نہیں جا سکتے۔ ھَرَبًا یہ مصدر ہے جو حال کے معنی میں ہے یعنی ھاربین کا معنی دے رہا ہے۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿ۙ۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَکَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿ۙ۱۵﴾

"اور اے جن بھائیو! ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم، تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کی اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں"۔

آیت میں الۡهُدٰۤی سے مراد قرآن ہے۔ اٰمَنَّا بِهٖ میں ضمیر مجرور سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہم نے حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ رسول اللہ ﷺ انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کیا اللہ

تعالیٰ نے جنوں، بادیہ نشینوں اور عورتوں میں سے کبھی کوئی رسول مبعوث نہیں کیا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی (یوسف:109) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ صحیح میں ہے: بُعِثْتُ إِلَى الأحمرِ والأسودِ(1) یعنی جنوں اور انسانوں کی طرف مجھے مبعوث کیا گیا ہے (جو اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو وہ جزا میں کمی اور ظلم کا خوف نہیں رکھتا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا کیونکہ بخس کا معنی کمی اور رہق کا معنی حد سے تجاوز کرنا اور حرام کردہ چیزوں کو بجالانا ہے۔

اعمش نے کہا:

لَاشَیْئَ یَنْفَعُنِی من دُونِ رُؤْیَتِها هل یَشْتَفِی وَامِقٌ مَالَمْ یُصِبْ رَهَقًا

اس کے دیدار کے سوا مجھے کوئی چیز نفع نہیں دیتی کیا عاشق جب تک محبوب پر رسائی نہیں پائے گا وہ شفایاب ہوگا۔

وامق کا معنی محب ہے؛ وَمِقَ یَمِقُ کا معنی محبت کرنا ہے۔ یہ جنوں کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ ایمان کے قوی اور صحیح اسلام والے تھے۔ عام قراء کی قراءت فلا یخاف ہے تقدیر کلام یوں ہے فانه لا یخاف۔ اعمش، یحییٰ اور ابراہیم نے اسے فلا یخف مجزوم پڑھا ہے کیونکہ یہ جواب شرط ہے اور فاء لغو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ یعنی قرآن کے سننے کے بعد ہم ایک دوسرے سے مختلف تھے ہم میں سے کچھ وہ تھے جو مسلمان ہو گئے اور ہم میں سے کچھ کافر تھے۔ قاسط کا معنی ظالم ہے کیونکہ وہ حق سے روگردانی کرنے والا ہوتا ہے۔ مقسط کا معنی عادل ہے کیونکہ وہ حق کی طرف پھرنے والا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: قسط یعنی ظلم کیا اور اقسط یعنی اس نے عدل کیا۔ شاعر نے کہا:

قومٌ هُمْ قتلوا ابن هِنْدٍ عَنْوَةً عَمْرًا وهم قَسَطُوا على النُّعْمَانِ

وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ابن ہند یعنی عمرو کو ظلم کے ساتھ قتل کیا اور انہوں نے نعمان پر ظلم کیا۔

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ (جو اسلام لائے انہوں نے ہدایت کا قصد کیا) یعنی حق کے راستہ کا قصد کیا اسی سے تحری القبلة ہے یعنی قبلہ کو تلاش کیا۔ رہے وہ لوگ جو حق اور ایمان کے راستے سے اعراض کرنے والے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

''اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اسے سخت عذاب میں''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاة

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ یہ فرمان جنوں کے قول کی حکایت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یعنی اگر یہ کفر ایمان لاتے تو دنیا میں ہم انہیں وسعت عطا کرتے اور انہیں فراخ رزق عطا کرتے۔ یہ وحی پر محمول ہوگا یعنی میری طرف وحی کی گئی کہ اگر جن استقامت کا مظاہرہ کرتے۔ ابن بحر نے ذکر کیا اس صورت میں جہاں ان ہے وہ ان جنوں کے قول کی حکایت ہے جنہوں نے قرآن سنا اور اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے لوٹے اور جہاں بھی ان (مفتوحہ مخففہ) ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی ہے یعنی (اس کا تعلق اوحی فعل کے ساتھ ہے) ابن انباری نے کہا: جس نے ماقبل مقامات پر ہمزہ کو کسرہ دیا اور وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا میں ہمزہ کو فتحہ دیا تو اس نے مکمل قسم کو مضمر مانا۔ اس کی تاویل یہ ہے واللہ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ جس طرح گفتگو میں یہ کہا جاتا ہے: واللہ ان قمت لقمت اور واللہ لو قمت قمت۔ شاعر نے کہا:

اَمَا واللهِ أَنْ لو كُنْتُ حُرًّا وما بِالْحُرِّ أَنتَ ولا العتيقُ

اللہ کی قسم! کاش تو آزاد ہوتا نہ تو اصلاً آزاد ہے اور نہ ہی بعد میں آزاد کیا گیا ہے۔

جس نے نون مخففہ سے قبل کو فتحہ دیا اس نے اسی کلام کو اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ، وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا اور اٰمَنَّا بِهٖ پر عطف کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے بأن لو استقاموا۔

جس نے تمام حروف ان مخففہ تک کو کسرہ دیا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ مخففہ کو اُوْحِيَ اِلَيَّ اور فَاٰمَنَّا بِهٖ پر عطف کرے اور قسم کو مضمر ماننے سے مستغنی ہو جائے اور عام قراء کی قراءت لَوِ استقاموا ہے کیونکہ دو ساکن جمع ہو گئے ہیں۔ ابن وثاب اور اعمش نے واؤ کو مضموم پڑھا ہے۔

مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ یعنی کثیر پانی۔ ان سے سات سال تک بارش روک لی گئی تھی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَدِقَتِ العينُ تَغْدَقُ هي غَدِقَة۔ جب چشمہ کا پانی بہت زیادہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اس سے مراد تمام مخلوق ہے، اگر ساری مخلوق حق، ایمان اور ہدایت کے راستہ پر استقامت کا مظاہرہ کرتی اور وہ مطیع و مومن ہوتی تو ہم اسے کثیر پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم آزمائیں کہ ان نعمتوں پر ان کا شکر کیسا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: جہاں کہیں ماء کا ذکر ہے اس سے مراد مال ہے اور جہاں کہیں مال کا ذکر ہے اس سے مراد آزمائش ہے لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ کا معنی ہے ہم دنیا میں ان پر وسعت کر دیتے۔ ماء غدق کو مال کثیر کے لیے بطور ضرب المثل ذکر کیا کیونکہ خیر اور رزق سب بارش کی وجہ سے ہوتا ہے اس وجہ سے بارش کو خیر اور رزق کی جگہ رکھ دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بارش مراد ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اعراف:96) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ:66)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سعید بن مسیب، عطا بن ابی رباح، ضحاک، قتادہ، مقاتل، عطیہ، عبید بن عمیر اور حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ احکام کے سننے والے اور اطاعت کرنے والے تھے ان پر کسریٰ، قیصر، مقوقس اور نجاشی کے خزانے کھول

دیئے گئے تو اسی مال کی وجہ سے انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو وہ اپنے امام پر جھپٹ پڑے اور انہیں (حضرت عثمان ذی النورین کو) شہید کر دیا۔

کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ کا معنی یہ ہے جس کفر پر وہ پہلے تھے اگر وہ اسی پر استقامت کا مظاہرہ کرتے اور وہ سب کے سب کافر ہوتے تو ہم خفیہ تدبیر کی بنا پر ان سے استدراج کا طریقہ اپناتے ہوئے ان پر رزق فراخ کر دیتے یہاں تک کہ وہ وسیع رزق کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو جاتے تو ہم انہیں دنیا و آخرت میں عذاب دیتے۔ یہ وہ تعبیر ہے جو ربیع بن انس، زید بن اسلم، ان کے بیٹے، کلبی، ثمالی، یمان بن رباب، ابن کیسان اور ابو مجلز نے کی ہے انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (انعام: 44) اور وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ (الزخرف: 33) پہلی تعبیر زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ الطریقہ معرف باللام ہے پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کا راستہ ہدایت کا راستہ ہو۔ اور استقامت، ہدایت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جن چیزوں سے میں تمہارے بارے میں خوف کھاتا ہوں ان میں سے سب سے خوفناک امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر زہرۃ الدنیا نکالے گا'' صحابہ نے پوچھا: یہ زہرۃ الدنیا کیا چیز ہے؟ فرمایا: ''زمین کی برکات''۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں فقر سے نہیں ڈرتا میں تمہارے بارے میں اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر فراخ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کی گئی تھی، تم اس میں باہم مقابلہ کرو گے جس طرح انہوں نے باہم مقابلہ کیا تو وہ تمہیں ہلاک کر دے گی جس طرح اس نے انہیں ہلاک کیا''۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ میں ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ قول ابن زید کا ہے۔ قرآن سے اس سے اعراض کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) قبول کرنے سے اعراض۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اہل کفر میں تھی (۲) عمل سے اعراض۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مومنوں میں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر نہ کیا اللہ تعالیٰ اسے چھا جانے والے عذاب میں داخل کرے گا۔

کوفی قراء اور عیاش نے ابو عمرو سے یسلکه (یاء کے ساتھ) پڑھا ہے یہ قراءت ابو عبید اور ابو حاتم کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے مذکور ہے کہا: وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ۔ جب کہ باقی قراء نے اسے نسلکه پڑھا ہے۔ مسلم بن جندب سے نُسْلِكْهُ مروی ہے۔ طلحہ اور اعرج نے اسی طرح قراءت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں سَلَكَهٗ اور اَسْلَكَهٗ دونوں (مجرد و مزید فیہ) کا ایک ہی معنی ہے یعنی ہم اسے سخت مشکل عذاب میں داخل کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جب بھی وہ اس پر اپنے ہاتھ رکھیں گے تو ہاتھ پگھل جائیں گے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: اس کا معنی مشقة من العذاب ہے لغت میں بھی یہ معلوم و مشہور ہے کہ صعدا

معنی مشقت ہے تو کہتا ہے: تصعدنی الأمر۔ یہ جملہ تو اس وقت بولتا ہے جب معاملہ تجھ پر مشکل ہو جائے۔ اس معنی میں حضرت عمر بنائند کا قول ہے: ما تصعدنی شیٔ ما تصعدتنی خطبۃُ النکاح۔ یعنی مجھے جتنا مشکل خطبہ نکاح ہے میرے لیے اتنی مشکل کوئی چیز نہیں۔ عذاب صعد کا معنی ہے سخت عذاب۔ صَعَد، صَعِد کا مصدر ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے صَعِدَ صَعَداً و صعوداً۔ اس لفظ کے ساتھ عذاب کی صفت ذکر کی گئی ہے کیونکہ یہ عذاب معذب پر بلند ہو جاتا ہے جس کو برداشت کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ ابوعبیدہ نے کہا: الصعد مصدر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی عذاباً ذا صعدٍ بلندی کی طرف چڑھنے میں مشقت ہوتی ہے۔ صعود سے مراد پیچیدہ گھاٹی ہے۔

عکرمہ نے کہا: جہنم میں ملائم چٹان ہے جس پر چڑھنے کا انہیں مکلف بنایا جائے گا جب وہ اس کی بلندی تک پہنچے گا تو اسے جہنم کی طرف گرا دیا جائے گا۔

کلبی نے کہا: ولید بن مغیرہ کو جہنم میں ایک پہاڑ پر چڑھنے پر مجبور کیا جائے گا جو پہاڑ ملائم چٹان کا ہوگا اسے زنجیروں کے ساتھ سامنے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا یہاں تک کہ اس کی چوٹی پر پہنچے گا وہ چالیس سال تک اس کی بلندی پر نہیں پہنچے گا جب وہ اس کی بلندی پر پہنچے گا تو اسے اس کی پستی کی طرف گرا دیا جائے گا پھر اسے اس کی چوٹی پر چڑھنے پر مجبور کیا جائے گا ہمیشہ اس کا یہی طریقہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۞ (مدثر) کا یہی معنی ہے۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۞

''اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مساجد سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کا تعلق قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ کے ساتھ ہے یعنی کہہ دو: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ خلیل نے یوں تقدیر کلام کی ہے لِاَنَّ المساجد للہ کیونکہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، بیوت سے مراد وہ مقامات ہیں جو ادیان کے حاملین عبادت کے لیے بناتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہمارے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مساجد میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوں جب کہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی طاعت بجالانے کے لیے بنائی گئی ہیں (1)۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد تمام جگہیں ہیں کیونکہ ساری زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد ہے (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''تم جہاں بھی ہو نماز پڑھ لو۔ تم جہاں بھی نماز پڑھو گے وہ مسجد ہے''۔ صحیح میں ہے: ''میرے لیے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنا دی گئی ہے'' (3)۔ سعید بن مسیب اور طلق بن حبیب نے کہا: مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر بندہ سجدہ کرتا ہے وہ دو قدم، دو گھٹنے، دو ہاتھ اور چہرہ ہے۔ یہ اعضاء ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 341 2۔ تفسیر بغوی، جز 4، صفحہ 404 3۔ مشکوۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

انعام کیا ہے تو ان اعضاء کے ساتھ غیر کو سجدہ نہ کر اگر تو ایسا کرے گا تو الله تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرے گا۔

عطا نے کہا: مساجد ک سے مراد تیرے وہ اعضاء ہیں جن کے بارے میں تجھے حکم دیا گیا کہ تو ان پر سجدہ کرے تو انہیں خالق کے سوا کے لیے ذلیل نہ کر۔

صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں، پیشانی اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنے اور دونوں کندھوں کی طرف''۔

حضرت عباس نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب بندہ سجدہ کرے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کریں''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مساجد سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ سجدہ الله تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے بھی یہی قول کیا ہے۔ اگر مساجد سے مراد مواضع لیے جائیں تو اس کی واحد مسجد ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے: اس کی واحد مسجد ہوگی۔ فراء نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ اگر تو اس سے مراد اعضاء لے تو اس کی واحد مسجد ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مسجد کی جمع ہے جس کا معنی سجود ہے۔ یہ قول کیا جاتا ہے: سجدتُ سجودًا و مسجدًا جس طرح تو کہتا ہے: ضربتُ فی الأرض ضربًا و مضربًا یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو رزق کی تلاش میں جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں مساجد سے مراد حکم ہے جو قبلہ ہے مکہ مکرمہ کو مساجد کا نام دیا کیونکہ ہر ایک اس کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتا ہے۔ پہلا قول ان تمام اقوال سے زیادہ نمایاں ہیں ان شاء اللہ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی کی فضیلت

مسئلہ نمبر 2۔ لِلّٰهِ میں اضافت شرف اور رتبہ کے اظہار کے لیے ہے، پھر ان مساجد میں سے بیت عتیق کو خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا: میرے گھر کو پاک کرو۔ اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سواریوں کو تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لیے کام میں نہ لایا جائے'' (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے تخریج کیا ہے۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں پڑھی جانے والی ایک نماز مسجد حرام کے سوا باقی مساجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے'' (2)۔ ابن عربی نے کہا: ایک ایسی سند سے یہ روایت مروی ہے جس میں کوئی بھی نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے سوا باقی مساجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے کیونکہ مسجد حرام میں پڑھی جانے والی ایک نماز میری مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے'' اگر یہ صحیح ہو تو مسجد حرام کی فضیلت میں یہ ایک نص ہوگی (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت صحیح ہے جو ایک عادل سے دوسرے عادل سے منقول ہے جس طرح ہم نے سورۂ ابراہیم میں

1۔ سنن النسائی، کتاب المساجد، باب ما تشد الرحال

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل المدینۃ، حدیث نمبر 3851، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن لابن العربی

بیان کیا ہے۔

مساجد کی اضافت غیر کی طرف کرنے کا جواز

مسئلہ نمبر 3۔ مساجد اگرچہ ملک اور شرافت کے اظہار کے لیے الله کی ہیں تاہم علامت کے طور پر غیر کی طرف بھی منسوب ہوتی ہیں، تو کہا جاتا ہے: مسجد فلاں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضامر گھوڑوں میں حفیاء (1) سے ثنیۃ الوداع تک دوڑ کرائی اور جن گھوڑوں کو ضامر نہیں بنایا جاتا تھا ان کی دوڑ ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک کرائی۔ یہ اضافت محلیت کے اعتبار سے ہے گویا وہ محل ان کے قبلہ میں ہے۔ بعض اوقات ان کے وقف کرنے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پل اور قبرستانوں کے خاص کرنے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ دوسری چیزوں کی تخصیص میں اختلاف ہے۔

مسجد میں کون سے کام جائز ہیں

مسئلہ نمبر 4۔ مساجد الله کے لیے ہیں ان میں الله تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی کا ذکر نہیں کیا جا سکتا تاہم ان میں اموال کی تقسیم جائز ہے، ان میں صدقات رکھنا بھی جائز ہے کہ یہ سب مساکین میں مشترک ہے اور ان میں جو آئے وہ اس سے کھا لے، اس میں مقروض کو روک لینا بھی جائز ہے، اس میں قیدی کو باندھنا بھی جائز ہے، اس میں سونا جائز ہے، مریض کا رہنا جائز ہے، پڑوسی کا اس میں دروازہ کھولنا جائز ہے، شعر جب باطل سے پاک ہو تو اس کا پڑھنا جائز ہے۔ یہ سب باتیں سورۂ براءت، سورۂ نور اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہیں۔

اس آیت کے نزول کا سبب

مسئلہ نمبر 5۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۝ مسجد حرام میں مشرک جو غیر الله کی عبادت کرتے تھے اس پر انہیں شرمندہ کرنا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہودی اور نصرانی جب اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تو الله تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے الله تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کو حکم دیا کہ وہ جب مساجد میں داخل ہوں تو عبادت کو الله تعالیٰ کی ذات کے لیے خالص کریں، اسے ہنسی مذاق کی جگہ، تجارتی منڈی، بیٹھنے کی جگہ اور راستہ نہ بنائیں اور ان مساجد میں غیر الله کے لیے حصہ نہ بنائیں۔ صحیح میں ہے: ''جو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرے تو تم یہ کہو: الله تعالیٰ اسے تم پر نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس کے لیے نہیں بنائی گئیں''۔ سورۂ نور میں ایسی بحث گزر چکی ہے جو مساجد کے احکام کے لیے کافی ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کی دعا

مسئلہ نمبر 6۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو اپنا دایاں پاؤں آگے رکھتے اور یہ آیت پڑھتے وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۝ اور دعا مانگتے: ''اے الله! میں تیرا بندہ ہوں، تیرا زائر ہوں، ہر زیارت کیے جانے والے پر حق ہے اور تو بہترین

1۔ یہ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ ہے سفیان نے کہا: حفیاء سے ثنیہ تک پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ مترجم

زیارت کیے جانے والوں میں سے ہے، میں تیری رحمت کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری گردن کو آگ سے آزاد کر دے'' اور جب مسجد سے نکلتے تو اپنا دایاں پاؤں آگے رکھتے اور یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! مجھ پر بھلائی کو انڈیل، جو تو نے مجھے اچھائی عطا کی ہے کبھی بھی مجھ سے نہ چھین، میری زندگی کو مخصوص مشقت نہ بنادے اور زمین میں میرے لیے غنا مقدر کر دے''۔

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

''اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا (خاص) بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آجاتے ہیں۔ آپ فرمایئے: میں تو اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمایئے: (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ تو میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا''۔

وَّ اَنَّهٗ کے ہمزہ پر فتحہ پڑھنا جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی اور جملہ مستانفہ کے طریقہ پر۔ ہمزہ کے نیچے کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہاں عبداللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب کہ آپ بطن نخلہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن حکیم پڑھ رہے تھے جیسے سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

يَدْعُوْهُ یعنی اس کی عبادت کرتے ہوئے۔ ابن جریج نے کہا: يَدْعُوْهُ کا معنی ہے اللہ کا بندہ انہیں اللہ تعالیٰ کی دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوا۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ کی تعبیر کرتے ہوئے حضرت زبیر بن عوام نے کہا: اس سے مراد جن ہیں جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا۔ یعنی وہ بھیڑ کرتے ہوئے ایک دوسرے پر سوار ہونے لگے اور گرنے لگے وجہ قرآن حکیم سننے کی حرص تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حرص کی وجہ سے ایک دوسرے پر سوار ہونے لگے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ ذکر کے سماع میں رغبت کرنے لگے۔ برد نے مکحول سے روایت نقل کی ہے، اس رات جنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی اس وقت ان کی تعداد ستر ہزار تھی اور فجر کے طلوع ہونے کے وقت بیعت سے فارغ ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی قول ہے کہ یہ جنوں کا قول ہے جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو وہ کچھ بتایا جو انہوں نے صحابہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور رکوع و سجود میں اقتدا کرتے ہوئے دیکھا(1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناراضگی کی وجہ سے ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن زید نے یہ کہا: جب حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے دعوت دینا شروع کی تو انسان اور جن سب اس پر امر پر متفق ہو گئے کہ اس نور کو بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادہ کا انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ اور طبری نے یہ معنی اختیار کیا ہے: تمام عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جمع ہوتے ہیں اور جو نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں اس کو بجھانے کے لیے باہم تعاون کرتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الجن، حدیث نمبر 3245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مجاہد نے کہا: لبد کا معنی جماعتیں ہیں، یہ تَلَبَّدُ الشیء علی الشیء سے مشتق ہے یعنی جمع ہونا اسی سے لبدہ ہے جسے بچھایا جاتا ہے تاکہ اس کی اون جمع ہو جائے ہر وہ چیز جس کو تو ایک دوسرے کے ساتھ سختی سے ملائے تو تو نے اسے بِلبدہ بنا دیا۔ لبدہ کی جمع لبد ہے جس طرح قربۃ کی جمع قرب ہے وہ بال جو شیر کی پشت پر ہوتے ہیں اسے لبدہ کہتے ہیں اس کی جمع لبد ہے زہیر نے کہا:

لَدَى أَسَدٍ شاكِي السلاحِ مُقَذَّفٍ لہ لِبَدٌ أظفارهُ لم تقلَّمِ

شیر کے پاس جو مسلح ہے گوشت پھینکنے والا ہے اس کی گردن پر لمبے بال ہیں اس کے ناخن نہیں کاٹے گئے۔

بہت زیادہ ٹڈی کو بھی لبد کہتے ہیں اس میں چار لغات اور قراءتیں ہیں۔ (۱) باء کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ؛ یہ عام لوگوں کی قراءت ہے۔ (۲) لام کو ضمہ اور باء کو فتحہ: یہ مجاہد، ابن محیصن اور ہشام کی قراءت ہے۔ اس کی واحد لُبدۃ ہے (۳) لام اور باء دونوں مضموم ہوں؛ یہ ابو حیوہ، محمد بن سمیقع، ابی الاشہب عقیلی اور جحدری کا نقطہ نظر ہے۔ اس کی واحد لَبد ہے جس طرح سَقف کی جمع سُقُفٌ اور رَهن کی جمع رُهُنٌ ہے۔ (۴) لام کو ضمہ اور باء مشددہ مفتوحہ: یہ حسن، ابو العالیہ، اعرج اور جحدری کی قراءت ہے۔ اس کی واحد لابد ہے۔ جیسے راکع کی جمع رُکّع، ساجد کی جمع سُجّد ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: لُبَد لام کے ضمہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ یعنی دائمی چیز۔ اس معنی میں یہ قول ہے کہ لقمان کی گدھ کو لُبَد کہتے ہیں کیونکہ اس میں دوام اور بقاء کی خصوصیات تھیں۔

نابغہ نے کہا: أخنَى علیها الذی أخنَى علی لُبَدِ۔

اس کے ساتھ اس نے خیانت کی جس نے لبد کے ساتھ خیانت کی۔

قشیری نے کہا: اسے لُبد لام اور یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ لبید کی جمع ہے جس کا معنی اون کی چھوٹی گون ہے۔ صحاح میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ (البلد) یعنی میں نے سب کا سب مال خرچ کر دیا۔ یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: الناس لبد لوگ جمع ہیں۔ اور لبد اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو سفر نہیں کرتا اور ہمیشہ اپنے گھر میں رہتا ہے۔

شاعر نے کہا:

من امرئٍ ذِی سَماحٍ لا تَزالُ لَہُ بَزْلاءُ یَعْیَا بِها الجَثّامۃُ اللُبَدُ

سخی آدمی کی جانب سے اس کی رائے ہمیشہ عمدہ ہوتی ہے جس کے ساتھ اپنی جگہ سے نہ ہلنے والا تھک ہار جاتا ہے۔

إنّی إذا شَغَلَتْ قوماً فُرُوجُهم رَحْبُ المَسالِكِ نَهّاضٌ بِبَزْلاءِ

جب لوگوں کو ان کے بچے مشغول کر دیتے ہیں تو میں کھلے راستوں والا اور عظیم کام کرنے والا ہوتا ہوں۔

لبد لقمان کی گدھوں میں سے آخری ہے۔ یہ منصرف ہے کیونکہ یہ معدول نہیں۔ عربوں کا گمان ہے کہ لقمان وہ ہے جسے عاد نے اپنے وفد میں حرم کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے بارش کی دعا کرے۔ جب وفد کے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا تو لقمان کو اختیار دیا گیا کہ وہ سات سفید ہرنیوں کے درمیان رہے جو مٹیالے ہرنوں میں سے ہوں اور ایسے پہاڑ میں جو پر پیچ ہو،

جہاں بارش نہ ہوئی ہو یا ان سات گدھوں کے درمیان رہے۔ جب بھی ایک گدھ ہلاک ہو تو اس کے بعد ایک گدھ نائب ہو گی۔ تو آپ نے گدھوں کو پسند کیا ان کی آخری گدھ کا نام لبد تھا شعراء نے بھی اس کا ذکر کیا، نابغہ نے کہا:

أَخْنَی علیها الذی أَخْنَی عَلَی لُبَدِ

اس شعر میں لبد سے مراد وہی گدھ ہے۔

لبید سے مراد اون کی چھوٹی گون ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ألبدت القِربة۔ جب تو اسے گون میں رکھ لے۔

لبید، بنی عامر کے شاعر کا نام بھی ہے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ، رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''۔ اکثر قراء نے یہاں قال کی قراءت کی ہے جب کہ حمزہ اور عاصم نے قُلْ امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش کے کفار نے آپ ﷺ کو کہا: تم بہت بڑی بات لاتے ہو، ہم نے تمام لوگوں سے دشمنی مول لے لی ہے اس سے باز آ جاؤ ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں۔

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۝ فرما دیجئے: میں اس پر قادر نہیں کہ میں تم سے مصیبت کو دور کروں اور نہ اس پر قادر ہوں کہ تمہارے لیے بھلائی لاؤں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضَرًّا سے مراد کفر اور رَشَدًا سے مراد ہدایت ہے یعنی میرے ذمہ تبلیغ کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضر سے مراد عذاب اور رشد سے مراد نعمت ہے۔ یہ بعینہ پہلا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضر سے مراد موت اور رشد سے مراد زندگی ہے۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۲ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ۝۲۳ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۝۲۴ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ۝۲۵

''آپ فرمایئے: مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ، البتہ میرا فرض یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے تا ابد، یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے۔ آپ فرمایئے: میں اپنی سوچ و بچار سے نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لیے میرے رب نے لمبی مدت''۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کا معنی یہ ہے اگر میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور سے حفاظت

چاہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مجھ سے دور کرنے والا ہیں، یہ اس لیے فرمایا کیونکہ انہوں نے کہا تھا: جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو اس کو چھوڑ دو ہم تجھے پناہ دیتے ہیں۔ ابو جوزاء نے حضرت ابن مسعود بنیٹھ سے روایت نقل کی ہے کہ میں جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا یہاں تک آپ حجون کے مقام پر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ایک خط لگایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف بڑھے جنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیڑ کر لی جنوں کے سردار جسے وردان کہتے نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں دور بھگا دوں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے گا''۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ کلام دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی پناہ جیسی پناہ مجھے کوئی نہیں دے سکتا (۲) اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں جو مقدر کیا ہے اس سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا یعنی میں اس کی بارگاہ کے بغیر کوئی ایسی پناہ نہیں پاؤں گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ قتادہ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ **مُلْتَحَدًا** کا معنی مددگار ہے۔ سدی نے اس کا معنی پناہ گاہ ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی زمین میں ایسا راستہ جو کھوہ کی مانند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے نہ دوست اور نہ آقا پاؤں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: کوئی راستہ نہیں پاؤں گا۔ ابن شجرہ نے اس کی حکایت بیان کی ہے، معنی ایک ہی ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

یَا لَهْفَ نَفْسِی وَلَهْفِی غیرُ مجدِیَةٍ عَنِّی وما مِنْ قضاءِ اللہِ مُلْتَحَدًا

ہائے میرا افسوس! جب کہ میرا افسوس کرنا مجھے کچھ نفع دینے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں ہی امان اور نجات ہے؛ یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا پیغام حق پہنچانا ہی ایک ایسا عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مالک ہوں۔ جہاں تک کسی کے لیے کفر، ایمان کو پیدا کرنے کا تعلق ہے میں ان کا مالک نہیں، اس تعبیر کی صورت میں اس کلام کا تعلق **قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا** کے ساتھ ہوگا معنی یہ بنے گا میں اس بات کا مالک ہوں کہ تمہیں پیغام حق پہنچا دوں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ کلام **لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا** سے مستثنیٰ منقطع ہے تو معنی یہ ہوگا لیکن میں تمہیں وہ پیغام حق پہنچا دوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ **مُلْتَحَدًا** بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی میں اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤں گا مگر یہ کہ جو پیغام حق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ آگے پہنچا دوں یا یہ معنی ہوگا جن پیغامات کی تبلیغ کا مجھے حکم ہوا وہ پہنچا دوں یا اس کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو پہنچاؤں، اس کے ارشادات کے مطابق عمل کروں اور غیر کو جس کا حکم دیتا ہوں اس پر اپنے آپ کو پابند کروں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **بَلٰغًا** مفعول مطلق ہے لا، لو کے معنی میں ہے اور حرف ان شرط کا معنی دے رہا ہے معنی یہ بنے گا اگر میں اس کے پیغام کو نہ پہنچاؤں تو میں اس کے سوا کوئی پناہ نہ چاہوں گا۔

جو توحید اور عبادت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، فان

کے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے کیونکہ جزا کا مابعد یہ ابتدا کا محل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ خٰلِدِیْنَ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ خٰلِدِیْنَ کو جمع ذکر کیا ہے کیونکہ معنی یہ ہے جس نے بھی یہ کیا ہے۔ پہلے من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر واحد ذکر کی پھر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے خٰلِدِیْنَ کو جمع ذکر کیا۔ ابدا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں عصیان سے مراد شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں شرک کے علاوہ معاصی مراد ہیں۔ یہاں ان کے ہمیشہ رہنے سے مراد یہ ہے اگر میں ان کو معاف نہ کروں یا انہیں شفاعت نصیب نہ ہو یہ تو ضروری بات ہے جب وہ دنیا سے ایمان کی حالت میں نکلے ہیں تو انہیں عفو تو ضرور لاحق ہوگی۔ یہ معنی سورۃ النساء اور دوسری صورتوں میں بڑا واضح گزرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ یہاں تک کہ جب وہ اس آخرت کے عذاب کو دیکھیں گے جن کی انہیں دھمکی دی گئی ہے یا وہ دنیا کے عذاب کو دیکھیں گے جس کی انہیں دھمکی دی گئی ہے۔ وہ بدر کے میدان میں ان کا قتل ہے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون مددگاروں کے اعتبار سے کمزور ہے وہ، یا مومن اور کس کی تعداد کم ہے وَّ اَقَلُّ عَدَدًا یہ معطوف ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اس سے مراد قیامت کا واقع ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے یعنی میں نہیں جانتا کیونکہ ان، لا یا ما کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا عذاب کے نازل ہونے کا وقت اور قیامت کے برپا ہونے کا وقت کوئی نہیں جانتا۔ وہ وقت غیب ہے میں اتنا ہی غیب جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتاتا ہے۔ مَا یُوْعَدُوْنَ میں جو مَا ہے اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ وہ اپنے فعل کے ساتھ مل کر مصدر ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ الذی کے معنی میں ہو تو ضمیر عائد کو مقدر مانا جائے گا اور اَمَدًا کا معنی انتہا اور مدت ہے عام قراء نے ربی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے حرم کے دونوں قاریوں اور ابو عمرو نے فتحہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

''(اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

اللہ تعالیٰ کس پر غیب کو ظاہر فرماتا ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ میں عٰلِمُ کو مرفوع پڑھیں تو یہ ربی کی صفت ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہوگی: ھو عالم الغیب۔ غیب اسے کہتے ہیں جو بندوں سے غائب ہو۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جس پر راضی ہوتا ہے کیونکہ اس پر غیب میں سے جو چاہتا ہے ظاہر کرتا

ہے کیونکہ رسولوں کی معجزات کے ساتھ تائید کی جاتی ہے ان معجزات میں سے بعض غیبت کی خبریں بھی ہوتی ہیں قرآن حکیم میں ہے وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (آل عمران:49) ابن جبیر نے کہا: مِنْ رَّسُوْلٍ سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں۔ یہ تعبیر حقیقت سے بہت ہی بعید ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ معنی کیا جائے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا مگر جسے نبوت کے لیے منتخب کر لیتا ہے کیونکہ اسے جس غیب پر چاہتا ہے مطلع کرتا ہے تاکہ یہ چیز اس کی نبوت پر دلیل ہو۔

نجومیوں سے غیب جاننے کی نفی

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے علم غیب کے واسطہ سے اپنی مدح فرمائی مخلوق کی بجائے اسے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا تو اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، پھر ان رسولوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جن پر وہ راضی ہے تو انہیں اپنے غیب میں سے جو چاہا وحی کے ذریعے ودیعت کر دیا، ان کے لیے اسے معجزہ بنا دیا اور ان کی نبوت پر سچی دلیل بنا دیا۔ منجم اور جو ان کے مشابہ ہوتے ہیں جو کنکری پھینکتے ہیں، کتابوں میں فال دیکھتے ہیں اور پرندے کو جھڑکتے ہیں ان میں سے نہیں جو مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کا مصداق ہو کہ انہیں اپنے غیب پر مطلع فرمائے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا ہے، فکر کی تیزی، ظن و تخمین اور جھوٹ کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والا ہے۔

ایک عالم نے کہا: کاش! میں جانتا جو منجم ایک کشتی کے بارے میں کہتا ہے اس میں ایک ہزار انسان سوار ہوتے ہیں جن کے احوال مختلف ہیں اور مراتب مختلف ہیں ان میں کوئی بادشاہ، بازاری، عالم، جاہل، غنی، فقیر، بڑا اور چھوٹا ہے ان کے طالع (زائچے) مختلف ہیں، ولادت کا وقت الگ ہے اور ستاروں کے درجات بھی مختلف ہیں سب پر غرق کا حکم ایک وقت میں ہو سکتا ہے۔

اگر نجومی کہے: (اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے) انہیں اس طالع (زائچہ) نے غرق کیا ہے جس میں یہ سوار ہوئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہے اس طالع (زائچہ) نے تمام طوالع (زائچوں) کے احکام کو باطل کر دیا ہے جب کہ ہر ایک کی ولادت کا وقت مختلف ہے اور اس کے مخصوص طالع (زائچہ) کا تقاضا بھی مختلف ہے تو ولادت کے اوقات کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا اس میں شقی اور سعید پر کوئی دلالت نہ ہوگی، اس میں قرآن عظیم کے ساتھ دشمنی کے سوا کوئی چیز باقی نہ بچے گی اس قسم کا عمل کرنے پر اس کا خون حلال ہو جائے گا۔ جب شاعر نے کہا تو کتنا اچھا کہا:

حَكَمَ الْمُنَجِّمُ أَنَّ طَالِعَ مَوْلِدِي يَقْضِي عَلَيَّ بِمِيتَةِ الْغَرَقِ

منجم نے فیصلہ کیا کہ میری ولادت کا زائچہ میرے بارے میں غرق ہونے کی موت کا فیصلہ کرتا ہے۔

قُلْ لِلْمُنَجِّمِ صَبْحَةَ الطُّوفَانِ هَلْ وُلِدَ الْجَمِيعُ بِكَوْكَبِ الْغَرَقِ

طوفان کی صبح منجم سے پوچھو کیا تمام غرق والے ستاروں کے ساتھ پیدا ہوئے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا گیا جب آپ نے خارجیوں سے جنگ کا ارادہ کیا تھا: کیا آپ ان سے جنگ کریں گے جب چاند برج عقرب میں ہے؟ تو حضرت علی شیر خدا نے فرمایا: ان کا چاند کہاں ہے؟ وہ وقت مہینے کے اختتام کا تھا حضرت علی شیر خدا نے جو جواب دیا اس کے اس کلمہ کی طرف دیکھو اور ستارہ شناسی کے علم کے حوالے سے جو قول

کرتا ہے اس کو کتنا بلیغ جواب دیا اور جو آدمی ستاروں کی چال کے حوالے سے احکام کو ثابت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کو کس طرح خاموش کر دیا۔

مسافر بن عوف نے آپ سے عرض کی: اے امیر المومنین! اس گھڑی روانہ نہ ہوں، جب دن کے تین پہر گزر جائیں اس وقت روانہ ہوں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: کیوں؟ اس نے عرض کی: اگر آپ اس وقت چلے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت بڑی مصیبت پہنچے گی اور اگر آپ اس وقت چلے جس میں چلنے کے لیے میں نے آپ کو کہا ہے تو آپ کامیاب و کامران ہوں گے اور جو آپ کا مطلب ہے اسے پالیں گے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی منجم تھا اور نہ ہمارا کوئی منجم ہے، آپ طویل گفتگو کرتے ہیں جس میں وہ قرآن حکیم کی آیات سے استدلال کرتے ہیں جو اس بارے میں تیری تصدیق کرے میں اس کے بارے میں بے خوف نہیں کہ وہ اس آدمی کی طرح ہو جائے جس نے اللہ تعالیٰ کا مد مقابل بنا لیا ہو۔ اے اللہ! کوئی فال نہیں مگر وہ تیرے قبضہ قدرت میں ہے اور تیری خیر کے سوا کوئی خیر نہیں پھر آپ نے متکلم سے فرمایا: ہم تجھے جھٹلاتے ہیں، تیری مخالفت کرتے ہیں اور ہم اسی وقت چلیں گے جس میں چلنے سے تو نے ہمیں منع کیا ہے۔

پھر حضرت علی شیر خدا لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: اے لوگو! علم نجوم حاصل کرنے سے بچو مگر اتنا علم نجوم حاصل کرو جس کے ذریعے تم بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کر سکو۔ بے شک منجم جادوگر کی طرح ہے اور جادوگر کافر کی طرح ہے اور کافر جہنم میں ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے خبر پہنچی کہ تو ستاروں کی چال میں نظر رکھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے قید میں ڈال دوں گا، جب تک تو اور میں باقی رہیں، جب تک میری حکومت ہوگی میں تیرا عطیہ روک لوں گا۔ پھر حضرت علی شیر خدا نے اسی وقت میں سفر کیا جس وقت میں سفر کرنے سے اس نے روکا تھا آپ کا دشمنوں سے آمنا سامنا ہوا آپ نے دشمنوں کو قتل کیا یہی نہروان والا واقعہ ہے جو صحیح مسلم میں ثابت ہے پھر فرمایا: اگر ہم اس گھڑی چلتے جس میں چلنے کا اس منجم نے ہمیں حکم دیا، ہم کامیاب ہو جاتے اور غالب آجاتے تو کوئی کہنے والا کہتا: حضرت علی اس وقت چلے جب منجم نے حکم دیا۔ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی منجم تھا اور نہ ہی ہمارا کوئی منجم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسریٰ، قیصر اور دوسرے شہروں پر فتح عطا فرمائی۔ پھر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور اسی پر بھروسہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیروں کے مقابلہ میں کافی ہے۔

بے شک وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے تاڑنے والے نگہبان بھیجتا ہے۔ رَصَدًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شیطان کو قریب سے روکتے ہیں: وحی شیطان کے چوری کرنے سے محفوظ رہتی ہے اور کاہنوں کو القا کرنے سے محفوظ رہتی ہے۔

ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث کیا اس کے ساتھ فرشتے تھے وہ شیاطین سے اس کی حفاظت کرتے ہیں کہ وہ فرشتوں کی صورت بنا سکیں۔ جب شیطان اس کے پاس فرشتے کی صورت میں آئے تو وہ کہے: انھیں یہ شیطان ہے اس سے بچو، اگر فرشتہ آئے تو وہ کہیں: یہ تیرے رب کا رسول ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا: رَصَدًا کا معنی نگہبان ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے جنوں اور شیاطین سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ قتادہ اور سعید بن مسیب نے کہا: وہ چار فرشتے ہیں۔ فراء نے کہا: اس سے مراد

حضرت جبرئیل امین ہیں جب جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے تو ان کے ساتھ فرشتے بھی آتے جو ان کی حفاظت کرتے کہ جن وحی کو سن نہ لیں اور اپنے کاہنوں کو نہ پہنچا دیں اور وہ رسول پر سبقت نہ لے جائیں۔ سدی نے کہا: رَصَدًا سے مراد محافظ ہیں جو وحی کی حفاظت کریں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی تو کہتے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جسے شیطان القاء کرتا تو وہ کہتے: یہ شیطان کی جانب سے ہے۔ رَصَدًا مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ صحاح میں ہے: رصد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو نگہبانی کرتے ہیں جس طرح حَرَس کا لفظ ہے اس میں واحد، جمع، مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں بعض اوقات وہ جمع کے لیے ارصاد کے لفظ ذکر کرتے ہیں اور کسی شی کے راصد سے مراد اس کا نگہبان ہے یوں باب چلایا جاتا ہے۔ رَصَدَہٗ، یَرْصُدُہٗ، رَصَدًا و رَصَدًا اور تَرَصَّدَ سے مراد تاڑنا ہے، مَرْصَد سے مراد تاڑنے کی جگہ ہے۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۟

"تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے"۔

لِيَعْلَمَ سے مراد یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا جان لیں کہ ان سے قبل آنے والے رسولوں نے پیغام حق پہنچایا ہے جس طرح آپ ﷺ نے یہ پیغام حق پہنچایا ہے اس کلام میں کچھ کلام محذوف ہے لِيَعْلَمَ کا جار مجرور جس کے متعلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی أخبرناہ بحفظنا الوحی لیعلم ان الرسل قبلہ کانوا علی مثل حالتہ من التبلیغ بالحق والصدق یعنی ہم نے آپ ﷺ کو اپنی جانب سے وحی کی حفاظت کی خبر دی تاکہ آپ جان لیں کہ ان سے قبل کے رسول بھی حق اور سچائی کی تبلیغ میں آپ کی حالت پر ہی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے تاکہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا، جان لیں کہ حضرت جبرئیل امین اور ان کے ساتھ جو فرشتے تھے انہوں نے آپ کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ کہا: رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی نازل نہیں ہوتی تھی مگر اس کے ساتھ چار فرشتے آتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول جان لیں کہ فرشتوں نے پہلے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول جان لے کہ باقی ماندہ رسولوں نے پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تاکہ ابلیس جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کو کسی آمیزش اور اس میں سے کسی چوری کے بغیر حق پہنچا دیا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: تاکہ جن جان لیں کہ رسولوں نے وہ پیغام حق پہنچا دیا ہے جو ان پر نازل کیا گیا تھا وہ اس پیغام کو پہنچانے والے نہیں جن میں سے کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔ مجاہد نے کہا: تاکہ وہ لوگ جان لیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے۔ عام قراء کی قراءت تو لِيَعْلَمَ ہے یعنی علامت مضارع مفتوح ہے اس کی تاویل وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، حمید اور یعقوب نے اسے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ لوگوں کو آگاہ کر دے کہ رسولوں نے یہ پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ زجاج نے کہا: تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ اس کے رسولوں نے اس کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران) معنی یہ ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ اسے بطور علم مشاہدہ جان لے

جس طرح اسے بطور غیب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر اس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو رسولوں کے پاس ہے اور جو فرشتوں کے پاس ہے۔ ابن جبیر نے کہا: معنی یہ ہے تاکہ رسول جان لیں کہ ان کے رب کے علم نے ہر اس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو کچھ ان کے پاس ہے پس وہ اللہ کے پیغام حق کو پہنچائیں۔

وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا

اس نے ہر چیز کے عدد کا احاطہ کر رکھا ہے وہ اسے پہچانتا ہے اور اسے جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ عددا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اس نے ہر چیز کا عدد کی حالت میں احاطہ کر رکھا ہے چاہے تو مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب قرار دے یعنی اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے تو یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہر شے کو شمار کرنے والی، عالم، حافظ ہے ہم نے یہ سب چیزیں الکتاب الاسنیٰ میں جمع کر دی ہیں جو اسماء حسنیٰ کی شرح میں ہے۔

اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہی حمد ہے۔